# استحکام پاکستان اور اقلیتوں کے حقوق کے تحفظ کیلئے سیرتِ طیبہ ﷺ سے مثالی رہنمائی

مولانا ڈاکٹر محمد اسعد تھانوی

محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم نے پوری انسانیت کے لئے راہِ عمل کو واضح اور روشن فرمادیا ہے اور اپنی عملی کاوشوں سے اپنے بیان فرمودہ اصول وقوانین کو انفرادی حیثیت میں بھی اور اجتماعی صورت میں بھی جاری ونافذ فرما کران کے عملی طور پر ممکن العمل اور ہر طرح سے مفید ہونے کا ثبوت بھی پیش فرمادیا ہے اور یہ بتادیا کہ آپ ﷺ کی تعلیم محض خیالی نظریہ یا تصوراتی خاکہ نہیں، ورنہ اچھے سے اچھے اور عمدہ سے عمدہ نظریہ کو تو کوئی بھی شخص پیش کرسکتا ہے۔ یہی وجہ ہے سیرت کے بہترین اور کامل ترین ہونے کی دلیل اس کے خوبصورت اقوال اور دل فریب و خوش کن نظریات وخیالات نہیں، بلکہ اس کی جانب سے دنیا کے سامنے پیش کئے جانے والے اعمال اور کارنامے ہیں، جن کے بغیر کتابی نظریات کاغذی و بے کیف پھولوں سے زیادہ کچھ حقیقت نہیں رکھتے۔ اگر اس زاویے سے بھی حضورِ اکرم نبی مکرم ﷺ کی حیات طیبہ کا مطالعہ کریں تو بھی آپ ﷺ تمام راہنمایاں اقوام اور پیشوایان مذاہب میں نہایت ارفع اور بلندترین مقام پر متمکن نظر آتے ہیں ﷺ

آج ایک طرف وطن عزیز مملکت خداداد پاکستان کے قیام کے ٦٢ سال مکمل ہورہے ہیں اور اس سلسلے میں تقاریب کا سلسلہ جاری ہے، اور دوسری جانب وطن عزیز انگنت مسائل سے دوچار اور بے شمار مصائب ومشکلات کا شکار ہے۔ داخلی معاملات ہوں یا خارجی مسائل، اسے ہر سمت نئے نئے چیلنجوں کا سامنا ہے۔ امن وامان اور ملکی استحکام بھی مختلف حوالوں سے ہم سے فوری غور وفکر اور مثبت وتعمیری اقدامات کے متقاضی ہیں۔

آج جبکہ سائنسی ترقی اور تیز رفتار نظام ہائے مواصلات کی بناء پر پوری دنیا سمٹ چکی

ہے اور مسابقت کی دوڑ میں ہر ایک آگے نکلنے اور اکیسویں صدی کو نہایت جوش و خروش سے خوش آمدید کہنے کا خواہش مند ہے، یہ امر نہایت ضروری ہے کہ دنیائے عالم کی تیزی سے بدلتی ہوئی صورت حال کا فوری ادراک کرتے ہوئے ملکی ضروریات اور حالات کو مدنظر رکھ کر اپنے مقام کا خود تعین کیا جائے اور اپنی تمام داخلی و خارجی پالیسیوں کا ازسرنو جائزہ لے کر انہیں اپنے لئے مفید اور بہتر بنایا جائے۔ اس کے لئے ہم سب پر لازم ہے کہ اپنی اپنی استطاعت اور توفیق ربانی کے مطابق سیرت طیبہ ﷺ سے رہنمائی حاصل کریں اور آئندہ کا لائحہ عمل ترتیب دیں، کیونکہ یہی وہ واحد راستہ ہے جو ہر قسم کے خطرات سے محفوظ اور ہر طرح کی رکاوٹوں سے مامون ہے۔(۱)

**حکومت کے بنیادی ستون:** موجودہ دور میں کسی بھی ریاست کے انتظام و انصرام کی ذمہ داری تین اداروں پر ہوتی ہے۔ یہ تینوں ریاست کے ستون کہلاتے ہیں: ۱۔ مقنّنہ، ۲۔ انتظامیہ، ۳۔ عدلیہ۔

**مقنّنہ:** موجودہ دور میں جمہوری حکومتوں میں عوام کے منتخب کردہ اور عرف عام میں غیر جمہوری حکومتوں میں خود حکومت کے منتخب کردہ ادارے کو ریاست کے مفاد میں اور اس کا نظام چلانے کے لئے قانون سازی اور اصول وضوابط طے کرنے کا اختیار ہوتا ہے۔ وہ اپنی فہم کے مطابق کسی بھی امر کے لئے حلال وحرام، جائز و ناجائز ہونے کا فیصلہ کر سکتا ہے لیکن ایک اسلامی ریاست میں اس کا کردار خاصہ محدود ہوتا ہے۔ کیونکہ اسلام میں دوسرے تمام امور کی طرح نظام حکومت و ریاست کے تمام اصول وقوانین مرتب ہیں اور اس بارے میں کسی قسم کا ابہام موجود نہیں ہے۔ اس لئے ان میں ردوبدل یا ترمیم و تنسیخ کی کسی کو بھی اجازت نہیں، قرآن کریم میں واضح ارشاد ہے فرمایا:

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّ لَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا
اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ
فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا ○ (۲)

اور کسی مومن مرد اور مومن عورت کو یہ حق نہیں کہ جب اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول (ﷺ) کسی کام کا فیصلہ فرمادیں تو پھر ان کا اپنے معاملے میں کچھ اختیار رہ جائے اور جس نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کی تو وہ صریح گمراہی میں جاپڑا۔

البتہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کی طرف سے ان نئے پیش آنے والے معاملات کے بارے میں قرآن وسنت کی روشنی میں اجتہاد کا حق ضرور دیا گیا ہے، جن کے بارے میں کوئی صریح حکم قرآن وسنت میں موجود نہ ہو۔ مگر اس کے لئے بھی کڑی شرائط عائد کی گئی ہیں، کیونکہ ایک تو یہ کام نہایت عظیم الشان ہے دوسرے اس کی اہمیت بھی بہت ہے۔ اس لئے کہ اس سے لاکھوں کروڑوں انسانوں کا مفاد، ان کی زندگی اور ان کے مذہبی معاملات متعلق ہوتے ہیں۔ اس لئے اجتہاد کی بیان کردہ شرائط پر پورا اترنے والے رجال کار ہی اس عظیم ذمہ داری سے عہدہ براء ہوسکتے ہیں۔ البتہ دنیاوی معاملات میں ان کی سمجھ بوجھ رکھنے والے ماہرین اپنے لئے راہِ عمل کا انتخاب کرسکتے ہیں، اور مناسب تدابیر اختیار کرنے کے مجاز ہیں۔ بشرطیکہ وہ اسلام کے مروجہ اصولوں اور متفقہ قوانین سے متصادم نہ ہوں۔

**دوسرا استون انتظامیہ:** ریاست کا دوسرا استون انتظامیہ ہے۔ اسلام میں انتظامیہ یعنی عاملہ کی حیثیت خدا کے نائب کی ہے اور خلیفہ یا امیر اس کا سربراہ ہوتا ہے۔ اس کا پہلا فریضہ اسلامی قوانین اور شریعت کا نفاذ ہے۔ اس اعتبار سے حکمرانی ان کے پاس امانت ہے۔ پھر اس مقصد کے لئے چونکہ عوام کے تعاون کی ضرورت ہے، اس لئے مسلمانوں کو امیر کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے۔ قرآن حکیم میں ارشاد خداوندی ہے:

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَی اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ ذٰلِكَ

خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلاً O(۳)

اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول ﷺ کی اطاعت کرو اور تم میں جو حاکم ہوں، پھر اگر کسی مسئلے میں تمہارا اختلاف ہو جائے تو اس میں اللہ اور رسول کی طرف رجوع کرو اگر تم اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہو، یہ اچھی بات ہے اور اس کا انجام اچھا ہے۔

آنحضرت ﷺ نے بھی اطاعت امیر کی تلقین فرمائی ہے۔ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

(امیر کا حکم) سننا اور اس کو ماننا مسلمان پر واجب ہے، خواہ (وہ حکم) پسند ہو یا ناپسند۔ بشرطیکہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا حکم نہ دیا گیا ہو، اگر معصیت کا حکم دیا گیا ہو تو نہ (اس کا) سننا جائز ہے نہ ماننا۔ (۴)

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

جس نے امیر کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی اور جس نے امیر کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی۔ امیر کی مثال ڈھال جیسی ہے کہ اس کے پیچھے رہ کر جنگ کی جاتی ہے اور اس کے ذریعہ (دشمن سے) بچا جاتا ہے۔ پس اگر امام تمہیں اللہ سے ڈرتے رہنے کا حکم دے اور انصاف کو شعار بنائے تو اسے اس کا اجر ملے گا۔ لیکن اس کے خلاف کہے گا تو اس کا گناہ اس پر ہوگا۔ (۵)

لیکن اطاعت امیر کا حکم صرف اس صورت میں ہے جب امیر اور حاکم صحیح راستے پر چلیں اور اسلامی تعلیمات کی پیروی کریں۔ لیکن جب امیر احکام شریعت کی پیروی نہ کرے اور اللہ و رسول کی نافرمانی کا حکم دے تو ایسے امیر کی اطاعت اللہ تعالیٰ نے لازم نہیں کی۔ جیسا کہ احادیث میں بھی ذکر ہوا ہے۔ قرآن کریم میں بھی ارشادِ ربانی ہے:

وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهُ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوَاهُ وَكَانَ اَمْرُهُ فُرُطًاO(٦)

اور آپ اس شخص کا کہنا نہ مانیں جس کا دل ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا اور جو اپنی خواہش کی پیروی کرتا ہے اور اس کا معاملہ حد سے بڑھ گیا ہے۔

**تیسرا استون عدلیہ:** ریاست کا تیسرا استون عدلیہ کو کہا جاتا ہے کسی بھی ریاست کا نظم وضبط قائم رکھنے اور اس کے استحکام کے لئے عدلیہ کا کردار واضح ہے۔ خصوصاً داخلی استحکام کا حصول عدلیہ کی راست کرداری کے بغیر ممکن نہیں۔ اس لئے ریاست کے استحکام کے سلسلے میں عدلیہ پر بہت بھاری ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے آج ساری قوم آزاد عدلیہ کا مطالبہ کر رہی ہے اور جسٹس افتخار کی بحالی کا مطالبہ کر رہی ہے۔

**اقلیتوں سے حسن سلوک:** اقلیتیں اسلامی ریاست کا اہم جزء ہیں۔ اسلامی تعلیمات کی خوبی یہ ہے کہ اگر ان کی روح کے مطابق عمل کیا جائے تو اپنے ہی نہیں، بے گانے بھی ان کا اثر ضرور قبول کرتے ہیں اور انہیں اپنانے کی خواہش رکھتے ہیں۔ اس لئے اگر کسی ریاست اسلامیہ میں کسی وجہ سے غیر مسلموں کا وجود نا بھی ہو تب بھی یہ امکان بہرحال موجود ہوتا ہے کہ دوسری غیر مسلم ریاستوں کے رہنے والے غیر مسلم صرف اسلامی معاشرہ کی برکتوں سے فیضیاب ہونے کے لئے اس میں رہنے کی خواہش کا اظہار کریں گے، اور مسلمانوں کی مثالی بود و باش سے متاثر ہو کر ان کے ساتھ رہنے کی درخواست کریں اسلام کے زریں دور میں جبکہ اسلامی تعلیمات پر مسلمان پوری طرح سے عمل پیرا تھے اور اسلام کا نظم اپنے ہر پہلو سے پورے جہاں میں تابانیاں بکھیر رہا تھا، ایسا ہوا ہے اس بارے میں بے شمار تاریخی روایات موجود ہیں، جن کے مطابق غیر مسلموں نے دوسرے کافروں بلکہ ہم مذہبوں پر مسلمانوں کو ترجیح دی ہے اور ان کے زیر اقتدار رہنے کو پسند کیا ہے۔ یہ بات اسلامی نظام کے فلاحی اور مثالی ہونے کی بین دلیل ہے۔

سو جب اقلیتوں کا وجود ایک اسلامی ریاست میں ایک لازمی امر ہے تو یہ بات بھی نہایت ضروری ہے کہ انہیں ہر اعتبار سے مطمئن رکھا جائے، تاکہ وہ ریاست کے کارآمد شہری کی حیثیت سے اپنے فرائض آزادانہ طور پر ادا کرتے رہیں اور اس سلسلے میں کسی قسم کی دشواری محسوس نہ کریں، ورنہ ان کی طرف سے ریاست کے استحکام کو خطرات لاحق ہو سکتے ہیں۔ خصوصاً اس صورت میں جبکہ دیگر ریاستیں اسلامی سلطنت کے خلاف سازشوں میں مصروف ہوں، کیونکہ یہ اقلیتیں بعض صورتوں میں ان کی اہم مذہب بھی ہوسکتی ہیں اور اگر یہ رشتہ نہ ہوتب بھی مخالف قومیں الکفر ملة واحدة کے بمصداق ان کی بے چینی سے فائدہ اٹھا کر انہیں غداری پر آمادہ کر سکتی ہیں۔ لیکن اسلام کے نظام حکومت کی یہ عجیب کرامت ہے کہ تاریخ میں اکثر ایسا ہوا ہے کہ ان اقلیتوں نے ایسے مواقع پر خود اپنے ہم مذہبوں پر مسلمانوں کو ترجیح دی ہے، خصوصاً حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فیاضانہ سلوک سے متاثر ہوکر ذمی عیسائی اور پارسی مسلمانوں کے ساتھ اس قدر مخلص ہو گئے تھے کہ انہوں نے ہر معاملے میں اپنے ہم مذہبوں کے برخلاف مسلمانوں کا ساتھ دیا۔ وہ مسلمانوں کو رسد بہم پہنچاتے تھے، اپنے خرچ سے سڑکیں اور پل تعمیر کراتے تھے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اپنے ہم مذہبوں مگر مسلمانوں کے دشمنوں کے راز انہیں آکر بتاتے تھے اور مسلمانوں کے لئے جاسوسی اور خبر رسانی کا فریضہ سرانجام دیتے تھے۔ (۷)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اقلیتوں کے ساتھ حسن سلوک کی بہت تاکید فرمائی ہے، اور اپنے طرزِ عمل سے بھی ان کے ساتھ حسن سلوک کی اہمیت کو واضح کیا ہے۔ یہ غیر مسلموں کے ساتھ آپ ﷺ کے حسن سلوک کا ہی نتیجہ تھا کہ جو کافر آپ کے پاس حالت کفر میں آتا تھا وہ واپس ہونے تک مسلمان ہو چکا ہوتا تھا۔ مشہور واقعہ ہے کہ ایک کافر ایک شب آپ ﷺ کا مہمان ہوا۔ آپ ﷺ نے اسے ایک بکری کا دودھ پیش کیا، وہ پی گیا، دوسری بکری دوہی پی گیا، لیکن آپ ﷺ نے اپنے انداز سے کسی ناراضگی کا اظہار نہ فرمایا۔ اس حسن سلوک کا نتیجہ یہ ہوا کہ کہ صبح تک وہ مسلمان ہو چکا تھا۔ (۸)

آپ ﷺ نے مکمل اختیار کے ہوتے ہوئے مدینہ منورہ کی ریاست میں غیر مسلموں کی گستاخیوں اور شرارتوں کے باوجود کبھی ان پر سختی نہیں فرمائی، بلکہ ہر مرتبہ درگزر سے کام لیا۔ ایک مرتبہ ایک یہودی نے کہہ دیا کہ "قسم ہے اس ذات کی جس نے موسیٰ کو تمام انبیاء پر فضیلت دی" ایک صحابی رسول ﷺ نے سنا تو اس سے رہا نہ گیا، اور اس سے پوچھا کہ کیا محمد ﷺ پر بھی؟ اس نے کہا ہاں! صحابیؓ نے غصے میں اسے تھپڑ مار دیا۔ وہ یہودی سیدھا آپ ﷺ کے پاس حاضر ہوا اور واقعہ عرض کیا۔ آپ ﷺ نے یہودی کو سخت سست کہنے کے بجائے ان صحابیؓ پر برہمی ظاہر فرمائی۔(۹)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مالی معاملات حضرت بلالؓ کے سپرد تھے۔ جب خرچہ نہ ہوتا تو وہی قرض لے کر ضروریات پوری کرتے اور رقم آنے پر قرض ادا کر دیتے تھے۔ ایک بار ایک مشرک نے انہیں کہا کہ تم مجھ سے قرض لے لیا کرو۔ انہوں نے قبول کر لیا۔ ایک روز وہ اذان دینے کے لئے کھڑے ہوئے تو وہ مشرک آیا اور آتے ہی کہنے لگا: او حبشی! انہوں نے کہا لبیک۔ وہ بولا کہ یاد ہے وعدے کے مطابق صرف چند روز رہ گئے ہیں۔ اگر اس مدت میں تم نے قرضہ ادا نہ کیا تو تم سے بکریاں چروا کے چھوڑوں گا۔ حضرت بلالؓ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گئے اور سارا ماجرا عرض کیا اور کہا کہ خزانے میں کچھ نہیں ہے۔ کل پھر وہ مشرک آ کے لعنت ملامت کرے گا، اس لئے مجھے اجازت ہو تو کہیں چلا جاؤں۔ جب قرض ادا کرنے کی سبیل ہو گی تو واپس آ جاؤں گا۔ رات کو اسی نیت سے سوئے، صبح اٹھ کر روانگی کا ارادہ کر رہے تھے کہ ایک شخص دوڑتا ہوا آیا کہ آنحضرت ﷺ نے یاد فرمایا ہے، وہ گئے تو دیکھا کہ چار اونٹ غلے سے لدے ہوئے کھڑے ہیں، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مبارک ہو، یہ اونٹ رئیس فدک نے بھیجے ہیں۔ حضرت بلالؓ نے بازار جا کر یہ چیزیں فروخت کیں اور مشرک کا قرض ادا کر کے آپ ﷺ کو اطلاع دی کہ قرض ادا ہو گیا۔(۱۰)

یہ اسلامی ریاست کے قیام کے بعد آپ ﷺ کے دورِ حکومت کا واقعہ ہے آپ کے

خادم خاص کے ساتھ مشرک اس قدر گستاخی سے پیش آتا ہے مگر آپ اسے ذرا بھی کچھ نہیں کہتے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اسلام کا یہ طریقہ کفار کے ساتھ برقرار رہا۔ خصوصاً حضرت عمرؓ نے جہاں بہت سی اصلاحات نافذ فرمائیں وہیں ذمیوں اور اقلیتوں کے حقوق کا بھی خاص خیال رکھا اور کسی معاملے میں بھی ان سے مسلمانوں کی بہ نسبت کم تر سلوک کا مظاہرہ نہیں کیا۔

اسلامی ریاست جہاں ایک طرف اقلیتوں کے مذہبی معاملات کا خاص خیال رکھتی ہے وہیں ان کی جان و مال کی حفاظت کی بھی اسی طرح ذمہ دار ہوتی ہے جیسے کسی بھی مسلمان کی جان و مال کی حفاظت کی ذمہ داری اس پر ہے۔

حضرت عمرؓ جن کی اسلام کے بارے میں شدت عام طور پر بہت مشہور ہے، ان کے دور میں اقلیتوں کو اس قدر مذہبی آزادی تھی کہ وہ سرعام اپنے مذہبی فرائض بجالاتے تھے، اعلانیہ ناقوس بجاتے، صلیب نکالتے اور ہر قسم کے میلے ٹھیلے کرتے تھے۔ ان کے مذہبی پیشواؤں کے مذہبی اختیارات بالکل حسب سابق برقرار رکھے گئے۔ ان کے ساتھ ہونے والے معاہدوں میں ان کی مذہبی آزادی کا پورا خیال رکھا جاتا تھا۔(۱۱)

ریاست کے تمام معاملات میں اقلیتیں مسلمانوں کے برابر حیثیت رکھتی تھیں، اور مذہب کی بنیاد پر ان سے نہ کسی قسم کا معاشی فرق رکھا جانا روا ہے نہ معاشرتی۔ حضرت عمرؓ نے ملکی لحاظ سے ذمیوں اور مسلمانوں کے مابین کسی قسم کا فرق و امتیاز قائم نہیں رکھا۔ کوئی مسلمان اگر کسی ذمی کو قتل کرتا تھا تو اسے بھی قصاصاً قتل کر دیا جاتا تھا۔ اسی طرح ریاست میں ہونے والے معذور، ضعیف اور محنت مزدوری نہ کر سکنے والے افراد کو گھر بیٹھے تنخواہیں ملتی تھیں۔ اس معاملے میں بھی سب یکساں تھے اور اسی سہولت سے مسلمانوں کے ساتھ ساتھ غیر مسلم بھی فائدہ اٹھاتے تھے (۔۔۔)

اقلیتوں کو یہ حق کہ محنت مزدوری نہ کر سکنے والے افراد کی بیت المال کفالت کرے، سب سے پہلے حضرت ابوبکرؓ نے دیا تھا، جسے حضرت عمرؓ نے بھی برقرار رکھا۔ (۱۳)

اسلام دوسرے معاملات میں بھی غیر مسلموں کے ساتھ فراخدلانہ سلوک کا قائل ہے۔ وہ صرف یہ چاہتا ہے کہ ان کی غیر اسلامی طرزِ معاشرت کا اثر مسلمانوں پر نہ پڑے، اور مسلمان اسلامی تعلیمات سے روگردانی نہ کریں۔ اس لئے اس نے کفار کے ساتھ دلی دوستی رکھنے اور قریبی تعلقات کی ممانعت کی ہے۔

اسلام کا یہ قانون ہے کہ کفار کو نفلی صدقے دیئے جاسکتے ہیں۔ خود آنحضرت ﷺ نے ایک یہودی خاندان کو صدقہ دیا تھا۔ ام المؤمنین حضرت صفیہؓ نے اپنے دو یہودی رشتہ داروں کو صدقہ دیا۔ ابومیسرہ، عمرو بن میمون، عمرو بن شرجیل اور مرہ ہمدانیؒ کے متعلق بھی روایات میں آتا ہے کہ وہ صدقہ فطر سے عیسائی راہبوں کی امداد کیا کرتے تھے۔ (۱۴)

اسلامی ریاست ہونے کی حیثیت سے وطن عزیز پاکستان کے استحکام کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ اسوۂ حسنہ اور اسلامی تعلیمات کی روشنی میں اقلیتوں کے حقوق کا خیال رکھے اور جائز حدود میں رہ کر انہیں مکمل آزادی فراہم کرے۔ لیکن اس سلسلے میں افراط وتفریط سے بچنا ہر حال میں ضروری ہے۔ جہاں ایک طرف ان کے حقوق کا خیال رکھنا ہوگا وہیں یہ بات بھی ازبس ضروری ہے کہ اس قسم کے اقدامات کئے جائیں کہ مسلمانوں کے ساتھ ان کا اس درجہ اختلاط نہ ہونے پائے کہ مسلمانوں کی امتیازی حیثیت ہی کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو۔ اس بارے میں اسوۂ حسنہ سے ہمیں بہترین رہنمائی مل سکتی ہے۔ غیر مسلموں کے حوالہ سے سب سے اہم چیز ان کے جان و مال کا تحفظ ہے اور یہ عصمت مسلمان کے جان و مان کی طرح ہے، جو مسلمان کسی غیر مسلم کو جسمانی نقصان پہنچائے گا، بدلہ میں وہی سزا مسلمان پر جاری کی جائے گی، یہی عدل وانصاف کا تقاضہ ہے، عدل کہتے ہی اسے ہیں جو سب کے لئے یکساں ہو۔ یہی اُسوہ حسنہ ہے، یہی قرآنی تعلیم ہے جس پر عمل کر کے ہم آج مملکت پاکستان کو مستحکم کر سکتے ہیں۔

## حواشی وحوالہ جات


۱۔ ماہنامہ الفاروق، جامعہ فاروقیہ، پاکستان نمبر

۲۔ سورۂ احزاب، آیت ۳۶

۳۔ سورۂ نساء، آیت ۵۹

۴۔ تفسیر مظہری، سورۂ نساء، ص ۱۵۳، جلد ۲

۵۔ صحیح بخاری، ۲/۱۱۰

۶۔ سورۂ کہف، آیت ۲۸

۷۔ شبلی، الفاروق، ۴۷۹۔۲/۴۸۰

۸۔ سنن، ترمذی، باب ماجاء ان المؤمن یاکل فی معاواحد، ابواب الاطعمہ

۹۔ سیرت النبی ﷺ، ۲/۲۲۴

۱۰۔ سنن، ابوداؤد، باب قبول ہدایا المشرکین

۱۱۔ الفاروق، ۲/۴۷۴

۱۲۔ الفاروق، ۲/۴۷۶

۱۳۔ الفاروق، ۲/۴۷۴

۱۴۔ کتاب الاموال، ابوعبید قاسم بن سلام، ۶۱۳۔۶۱۴


## اسوہ حسنہ اور مروجہ میلاد محفلیں

خراج عقیدت ادا کرنے والوں خراج عقیدت سے کیا کام ہوگا
یہی ہے زبانی محبت کا عالم تو دین ہدیٰ اور بدنام ہوگا
اگر سن سکو تو روح محمد ﷺ خراج اطاعت کی طالب ہے تم سے
یہی ہے جو قول و عمل کی دورنگی بہت درد انگیز انجام ہوگا
فقط خوش بیانی کے جوہر دکھا کر کوئی قوم دنیا میں ابھری نہیں ہے
عمل چھوڑ کر صرف باتیں بنا کر کوئی قوم دنیا میں ابھری نہیں ہے
اٹھو مومنو! آج سے عہد کرلو، حبیب خدا ﷺ کی اطاعت کرو گے
عقیدت کے پہلو بہ پہلو عمل سے حقیقت میں تعمیل سنت کرو گے

# استحکام پاکستان کیلئے سیاست اور امور خارجہ کے رہنما اصول سیرت طیبہ ﷺ کی روشنی میں

**پروفیسر ڈاکٹر مخدوم روشن صدیقی**
اسسٹنٹ پروفیسر، گورنمنٹ بوائز ڈگری کالج قاسم آباد، حیدرآباد

اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات نے انسانوں کے لئے جو فکر اور فلسفہ متعین کیا وہ ہمارے اس قرآن کریم کی صورت میں موجود ہے۔ قرآن کریم صرف اپنے ماننے والے (مسلمانوں) کی فکر اور زندگی گزارنے کا آئین اور دستور نہیں بلکہ پوری دنیا کے انسانوں کے لئے زندگی گزارنے کا دستور ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ پوری دنیا کے انسانوں کا رب ہے، لہٰذا زندگی گزارنے کا دستور بھی پوری دنیا کے انسانوں کی ہدایت کے لئے ہے۔ پھر جو بھی انسان اس قرآنی نظریئے کو نہیں اپنائے گا وہ ناکامی اور خسارے کی زندگی گزارے گا۔

جیسے آج دنیا کے اندر انسانیت کی حالت ہے کہ قرآن کریم کے نظریہ کو چھوڑنے کے بعد انہوں نے دنیاوی ترقی تو حاصل کر لی، لیکن معاشرتی اور اخلاقی زندگی میں وہ جانوروں کی طرح ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ دنیا کے مادی افکارات اور نظریات انسان کو دنیاوی ساز وسامان تو مہیا کر سکا، لیکن بہترین، بااخلاق اور باکردار انسان نہ دے سکا۔ جس کو اللہ نے اشرف المخلوقات کا منصب عطا کیا تھا۔ مادہ پرست انسانوں نے یا تو اللہ کی بھیجی ہوئی کتابوں توریت، انجیل، زبور اور دیگر صحیفوں میں جو کہ قرآن کے آنے کے بعد منسوخ ہوگئیں ہیں میں تبدیلی کر کے ان کو اپنی فکر بنایا، اور کچھ لوگوں نے کچھ مذہبی تصورات اور انسانی تجزیات کی بنیاد پر اپنا نظریہ اور نظام بنایا کچھ لوگوں نے صرف انسانی تجزیات کی بنیاد پر معاشرتی اور اجتماعی اصول بنائے اور ان کے تعین میں مذہبی عقائد اور معیار کو نظر انداز کر دیا، جبکہ اس کے برعکس مسلمان اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں ہر ہدایت اپنے اسلام سے حاصل کرتا ہے۔ مسلمانوں کے پاس اسلام صرف مذہب نہیں ہے جو صرف ذاتی زندگی کے معاملات کی حد تک محدود ہو، بلکہ اسلام ایک کامل دین اور

مکمل نظام حیات ہے۔ جو اللہ تعالیٰ اور بندے کے تعلق کو قائم کرنے کے ساتھ ساتھ انسانوں کے بیچ میں تعلقات اور حقوق کو بھی متعین کرتا ہے۔ اسی طرح اسلام اجتماعی اور معاشرتی زندگی کو کنٹرول کرتا ہے۔ لیکن اس کا مطلب صرف یہ نہیں کہ مسلمان انسان کے تاریخی تجربوں سے کچھ بھی حاصل نہیں کرتا بلکہ وہ ماضی کے واقعات، تجزیات اور علوم سے فائدہ حاصل کرتا ہے اور ان سے حاصل ہونے والی صحیح اور مفید چیزوں کو اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں اپناتا ہے۔ لیکن مسلمان صرف انسانی فکر اور تجربات کو اخذ اور اختیار کا ذریعہ نہیں بناتا بلکہ اس کے نزدیک اخذ اور اختیار کا ذریعہ اللہ تعالیٰ کا بھیجا ہوا دستور قرآن حکیم اور قرآن حکیم کے شارح اور معلم آخر رسول حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل (سنت نبوی) ہے۔ یعنی جو حکم قرآن کریم اور سنت کے مطابق ہوگا، مسلمان اس کو اختیار کرے گا۔ جو اس کے مطابق نہیں ہوگا، اس کو وہ مسترد کر دیتا ہے، گویا کہ قرآن اور سنت ان کے لئے کسوٹی ہے، جس پر وہ اپنے ہر عمل کو پرکھتے ہیں۔ مسلمان اپنا ہر قانون اور اصول قرآن و سنت کے مطابق بناتے ہیں۔ پھر قرآن کریم کی فکر کے تین بنیادی اصول ہیں۔

۱۔ تعلیم احکام، ۲۔ تہذیب اخلاق، ۳۔ تنظیم اعمال

تعلیم احکام سے مراد شریعت، تہذیب اخلاق سے مراد طریقت، اور تنظیم اعمال سے مراد سیاست ہے۔ یعنی دین اسلام شریعت، طریقت اور سیاست کے مجموعے کا نام ہے۔ اسلام ان تینوں اصولوں پر عمل کئے بغیر کامیابی کا کوئی راستہ نہیں اور نہ ہی یہ تینوں اصول ایک دوسرے کے بغیر مکمل ہو سکتے ہیں۔ شریعت سے مراد راستہ ہے، اگر راستہ ہی سامنے نہ ہوگا تو سفر کیسے کیا جائے گا، طریقت سے مراد راستے پر چلنے کی اخلاقی قوت پیدا کرنا ہے کیونکہ راستے پر چلنے کی اگر قوت نہ ہوگی تو پھر راستہ کتنا بھی مضبوط کیوں نہ ہو وہ کس کام کا، پھر سیاست سے راستے کی رکاوٹوں کو صاف کیا جاتا ہے۔ کیونکہ اگر راستہ پتھریلا اور پرخار ہو تو وہاں طاقت اور قوت بھی ہو تو وہ کیا کام کرے گی۔ اگر یہاں طاقت سے کام بھی لیا جائے تو ساری طاقت تو راستے کی صفائی میں خرچ ہو جائے گی، پھر حقیقی منزل پر پہنچنا مشکل ہو جائے گا۔ لہٰذا شریعت راستہ ہے، طریقت